کے از مطبوعات روزنامہ پاکستان
Naya Rukh
چیف ایڈیٹر سردار خان نیازی

قسط نمبر 2

مشرق بعید کے سفر

ڈاکٹر عبدالستار عباسی

کوالالمپور ٹون ٹاورز:
آج بھی سب بہت پر جوش تھے کیونکہ ناشتے کے بعد ٹون ٹاور دیکھنے جانا تھا۔ رات گالا ڈنر دیر سے ختم ہوا تھا اس لیے سب نے دس بجے لابی میں اکٹھا ہونا تھا۔ سب بانکا چھبیلا لباس زیب تن کیے ناشتے کے بعد فردا فردا وقت مقررہ پر لابی میں پہنچ چکے تھے اور منتظمین کے اشارے کے منتظر تھے کہ کب بسوں میں بیٹھنے کا اشارہ کیا جاتا ہے۔ آخر وہ وقت آن پہنچا اور ہم سب بسوں میں سوار ہو گئے۔ ٹون ٹاور پر اترتے ہی سب کو ٹکٹ پر بروز بینڈ اور ٹکٹ تھما دیے گئے اور قطار کی صورت میں لفٹ کے سامنے کھڑے ہونے کو کہا گیا۔ اپنی باری آنے پر ہم بذریعہ لفٹ ٹاپ فلور تک پہنچ گئے اور اپنی دوربینوں کی مدد سے دور نیچے نظر آنے والی سڑکوں پر گاڑیوں اور انسانوں کا مشاہدہ کرنے لگے۔ ابھی تک ٹون ٹاورز کے ٹاپ فلورز کے درمیان پل نہیں لگا تھا۔ گائیڈ نے بتایا کہ اگلی مرتبہ آپ جب بھی آئیں گے تو پل بن چکا ہوگا اور آپ اسی فلور سے دوسرے ٹاور تک جا سکیں گے۔ یہ سن کر جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ اسکے بعد دو مرتبہ کوالالمپور جانے کا پھر اتفاق ہوا۔ ہم وہاں سے گزرے اور ٹاپ فلورز کے درمیان وہ پل بھی دیکھا جو دونوں ٹاورز کو جوڑتا ہے مگر مصروفیات کی بنا پر اس پل سے گزرنے کا مشاہدہ نہ کر سکے۔ ٹون ٹاورز کے ٹاپ فلور سے شہر کا مشاہدہ ایک انمول تجربہ تھا بلندی ویسے بھی انسان کو پر جوش کر دیتی ہے۔ اور پھر انسان کی محنت و مشقت سے اس قدر بلند عمارت کے ٹاپ فلور پر کھڑے ہونا ایک انوکھے احساس کا موجب تھا جو آج دہائیوں بعد بھی یادوں میں تازہ ہے۔
الیکٹرونکس مارکیٹ: ٹون ٹاورز کا دورہ مکمل ہوتے ہی سب ساتھیوں کی اولین ترجیح الیکٹرونکس مارکیٹ کا دورہ کرنا تھا۔ بعض کے پاس تو کچھ مصنوعات کی قیمتوں کا موازنہ بھی تھا کہ ملائیشیا سے خریدنے میں کس قدر بچت ہے۔ بہر حال ہمارا شمار خریداروں میں نہ تھا ہم صرف مشاہدے اور تجربے کی خاطر ساتھ چل دیے۔ جو کہ ایک اچھا فیصلہ تھا اور مقامی مارکیٹ سے آگہی کا بہترین ذریعہ بن گیا۔ ہم تو اس وسیع مارکیٹ میں گھومتے پھرتے رہے اور چند افراد نے خریداری بھی کی۔ شام ہوتے ہی سب نے ہوٹل پہنچنے میں عافیت جانی کیونکہ صبح سویرے بذریعہ سڑک سنگاپور جانا تھا اس لیے ہدایات تھیں کہ پیکنگ کر کے سوئیں تا کہ صبح تاخیر نہ ہو۔
سنگاپور: صبح دس بجے سب لوگ اپنی اپنی بس پر سوار ہو چکے تھے اور سنگاپور پہنچنے کے لیے بے چین تھے۔ اکثر کو اس کا اندازہ نہ تھا کہ پورا دن سفر میں گزر جائے گا۔ بہرحال سفر بہت خوشگوار گزرا راستے میں ایک ہوٹل پر رکے اور بہترین کھانے سے لطف اندوز ہوئے۔ مغرب سے کچھ پہلے سنگاپور امیگریشن پہنچ گئے لیکن امیگریشن میں ایسے الجھے کہ رات کے اندھیرے گہرے ہو گئے۔ جسکی وجہ ہماری ٹیم میں شامل سری لنکن دوستوں کے پاس موجود سگریٹس کے بنڈل تھے جو انہوں نے سری لنکا ساتھ لیجانے کے لیے ملائیشیا سے خریدے تھے لیکن سنگاپور والے انھیں اسکی اجازت نہیں دے رہے تھے۔ جس پر اچھا خاصا وقت لگ گیا اور آخر کار ہم نے پاسپورٹ کنٹرول کے اس پار سنگاپور کی سرزمین پر قدم رکھا تو کافی وقت ہو چکا تھا اور دن بھر کی تھکاوٹ بھی تھی اس لیے اکثر ساتھیوں نے آرام کو ترجیح دی۔
سنگاپور کی سیر: صبح سویرے ہماری مقامی گائیڈ نے گاڑی میں داخل ہوتے ہی کچھ دلچسپ باتیں کیں جن میں سے دو آج بھی یادوں میں تازہ ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ آپکو سنگاپور میں مکھی نظر نہیں آئے گی۔ جسکا مطلب سنگاپور کے صاف ستھرے ہونے پر مہر ثبت کرتی تھی اور دوسری بات یہ کہ ہمارے ہوائی جہاز ٹیک آف کرتے ہی سنگاپور کی حدود سے باہر نکل جاتے ہیں۔ حالانکہ سنگاپور ریاست کی حیثیت رکھتا ہے لیکن ہے تو بہر حال ایک شہر ہی۔ کسی جگہ کاغذ کا ٹکڑا تک پڑا ہوا نظر سے نہیں گزرا اور نہ ہی کسی کو سڑک پر تھوکتے دیکھا۔ ایسا محسوس ہوا کہ شہر کا ہر فرد صفائی کی ذمہ داری اپنے سر لیے ہوئے ہے اور کوئی بھی قطعاً کوڑے دان کے علاوہ کہیں بھی ردی نہیں پھینکتا۔ سڑکیں، شاپنگ مالز، کھانے پینے کی دکانیں ہر جگہ صفائی کا خصوصی خیال رکھا جاتا ہے۔ شہر کے مرکز میں مصطفے سنٹر ایک بہت بڑی سپر مارکیٹ ہے جو بہت مقبول ہے اور روزمرہ ضروریات زندگی کی اشیاء سے بھرا پڑا ہے۔ اس کا نام اسکی موجودگی اور اسکی شہرت دل کو بھلی لگی۔
کروز ڈنر:
شام کو کروز ڈنر پر جانا تھا۔ کروز ڈنر کا یہ پہلا تجربہ تھا۔ غروب آفتاب کے ساتھ ہی ہم کروز پر سوار ہو گئے اور سب لوگ کچھ دیر عرشے پر ہی ٹھہر گئے اور ہر طرف پھیلی نیلی سپیدی سے لطف اندوز ہونے لگے۔ تھوڑی دیر بعد سب کو کروز کے ڈائننگ ہال میں جمع ہونے کا کہا گیا۔ سیڑھیوں سے نیچے اترے تو ایک عالیشان ہال نے جسکے بیچوں بیچ انواع و اقسام کے کھانے لگے ہوئے تھے۔ سرور کی انمول کیفیت طاری کر دی۔ یہ روشنیوں کا انوکھا امتزاج تھا یا دھیمی دھیمی گفتگو کی سرگوشیاں، کچھ بھی ہو ماحول نے اک سحر طاری کر دیا۔ اس دوران ہمارے ایم ڈی مائیک پر آئے اور ہماری مقامی ہوسٹ سنوفی کی کنٹری ڈائریکٹر کو متعارف کراتے ہوئے انہیں خطاب کی دعوت دی۔ محترمہ ایک بی دار متحرک خاتون لگتی تھیں۔ انہوں نے سب کو خوش آمدید کہا اور مختصراً سرل اور سنوفی کے اشتراک کے چیدہ چیدہ نکات پر بات کرتے ہوئے خوبصورت شام سے لطف اندوز ہونے کی خواہشات کے ساتھ گفتگو ختم کی۔ اسکے بعد سب مزید عشائیے میں گم ہو گئے۔ رات گہری ہو چکی تھی اور ایک بار پھر سب لوگ فرداً فرداً عرشے پر جمع ہونا شروع ہو گئے تھے۔ ہوا کی خنکی کے ساتھ سنگاپور کی روشنیوں میں جگمگاتے نظاروں کو سراہتے تھکتے نہ تھے۔ صبح سویرے سب نے اپنے ٹرالی بیگز گھسیٹتے منہ لٹکائے ہوٹل لابی میں اکٹھے ہو رہے تھے اور سب کے چہروں سے یہ شکوہ عیاں تھا کہ سنگاپور کے لیے اس قدر قلیل وقت سراسر زیادتی تھی۔ یہ بھانپ کر ہمارے ایک سینئر ساتھی نے سب کو یاد دلایا کہ بہت دنوں سے دفتر چھوڑا ہوا ہے جسکی وساطت سے کتنا کام بھرا ہے اس لیے پر عزم ہو جائیے کہ پاکستان پہنچتے ہی پہلے سے زیادہ تندہی سے کام کریں گے تا کہ اگلے برس اس سے اچھی جگہ جانے کا موقع مل سکے۔ سب نے انکی ہدایت کو نام جانا اور واپسی کے سفر کے لیے کمر بستہ ہو گئے۔

ملائیشیا دوسری بار:
ایک لمبے عرصے کے بعد یونیورسٹی کی طرف سے ایک خط موصول ہوا کہ مجھے جوہر بھارو ملائیشیا میں ہونے والے یونیورسٹی پریزیڈنٹ فورم میں یونیورسٹی کی نمائندگی کرنے والے دو رکنی وفد میں شامل کر دیا گیا ہے۔ وفد کی دوسری رکن ہماری کولیگ تھیں جو ایک دوسرے ڈیپارٹمنٹ کی ہیڈ تھیں۔ ہم لوگوں کو لاہور سے کوالالمپور اور پھر وہاں سے جوہر بھارو کی پرواز لینی تھی۔ جاتے ہوئے ہمارے پاس وقت قلیل تھا البتہ یہ طے ہوا کہ واپسی پر کوالالمپور ضرور جائیں گے۔ جوہر بھارو ایک صاف ستھرا اور خوبصورت شہر ہے۔ جوہر بھارو سے سنگاپور گاڑی پر شاید آدھے گھنٹے سے بھی کم مسافت پر ہے۔ ہمیں بتایا گیا کہ سنگاپور میں کام کرنے والے متعدد افراد خرید و فروخت جوہر بھارو سے کرتے ہیں کیونکہ سنگاپور جوہر بھارو سے بہت مہنگا ہے۔ یو۔ٹی۔ایم کے فورم میں امریکہ سے لیکر جاپان اور فلپائن تک متعدد یونیورسٹیوں کے سربراہان نے شرکت کی اور اپنی اپنی یونیورسٹیوں کی تعلیمی میدان میں کامیابیوں سے شرکاء کو آگاہ کیا۔ مجھے سب سے زیادہ جاپان اور جنوبی کوریا کی یونیورسٹیوں کے انداز تعلیم اور متعلقہ صنعتوں کے ساتھ انکے اشتراک نے بہت متاثر کیا۔ ان دونوں ممالک کی یونیورسٹیز نئی مصنوعات، صنعت و حرفت کی نئی ایجادات، اور تحقیق اور جدت میں نئے نئے انداز متعارف کروانے میں طاق نظر آئیں۔
یو۔ٹی۔ایم کا دورہ
تمام شرکاء کے لیے یونیورسٹی کا تفصیلی دورہ پروگرام میں شامل تھا۔ فورم ایک ہی دن کا تھا اور اگلے روز ہمیں یونیورسٹی کے دورے پر جانا تھا۔ یو۔ٹی۔ایم بہت سے شعبوں میں بہت اچھی کارکردگی دکھا رہی ہے اور مستقبل میں جہاز سازی اور خلانوردی کے شعبوں میں آگے بڑھنا چاہتی ہے۔ نباتات سے ادویات اور حسن افروز (کاسمیٹکس) اشیاء کی تیاری پر بھی توجہ دی جا رہی ہے۔ شام کو یو۔ٹی۔ایم کے صدر کی جانب سے ضیافت کا انتظام انکی رہائش گاہ پر کیا گیا جو سادہ مگر پر وقار تقریب تھی جس سے سب نے لطف اٹھایا۔ کھانے کی میز پر دلچسپ صورتحال اس وقت پیدا ہوئی جب ایک پروفیسر صاحبہ نے اپنا نام صفیہ بتایا تو میں نے کہا کہ پاکستان میں بھی یہ نام رکھا جاتا ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ ہمارے ہاں بھی یہ نام رکھا جاتا ہے مگر اسکے معنی سے کم ہی لوگ واقف ہیں۔ میں نے پوچھا کہ کیا آپکو اسکے معنی کا علم ہے تو کہنے لگیں کہ نہیں۔ میں نے بتایا کہ یہ پاکیزہ خاتون کو کہتے ہیں۔ تو بہت خوش ہوئیں۔
کوالالمپور دوبارہ
یہ 2017 کی بات ہے کہ ہمیں کوالالمپور میں ہونے والی ایک بین الاقوامی کانفرنس میں شرکت کی دعوت ملی جو ہم نے قبول کر لی۔ اس دورے کو زیادہ مفید بنانے کے لیے فیصلہ کیا کہ مختلف یونیورسٹیز کا دورہ بھی کیا جائے اور اشتراک کی راہیں تلاش کی جائیں گی۔ اس سلسلے میں تین یونیورسٹیز سے رابطہ کیا گیا جن میں یو۔پی۔ایم، ان سیف اور بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی ملائشیاء شامل تھیں اور سب سے ایک مربوط پروگرام طے پا گیا۔
ان سیف ملائشیاء میں بہت سے پاکستانی طلباء بھی زیر تعلیم تھے جن سے خصوصی میٹنگ کا اہتمام کیا گیا۔ اسکے علاوہ ایک پریزنٹیشن تمام طلباء کے لیے رکھی گئی جس کا مقصد پاکستان میں اسلامی بینکاری اور اعلی تعلیمی شعبے میں ملک میں ہونے والے اقدامات اور ملازمت کی ممکنات پر بات کی گئی۔
کانفرنس میں دنیا بھر سے مندوب آئے ہوئے تھے اور اسلامی معیشت اور بینکاری کے نظام پر اپنے تحقیقی مقالات پیش کر رہے تھے۔ کانفرنس کی پہلی شام گالا ڈنر کے لیے ہال میں داخل ہوئے تو اکرام الدین صاحب پر نظر پڑی اور ہم ان سے ملنے آگے بڑھے۔ انکے ساتھ کسی عرب ملک سے آئے دو مہمان کھڑے تھے۔ میں نے تعارف کے لیے اپنا وزیٹنگ کارڈ دیا تو ان میں سے ایک بولے کہ آپ میرے کزن ہیں کیونکہ میں بھی عباسی ہوں اور ساتھ ہی اپنا وزیٹنگ کارڈ بھی دے دیا۔ ہم ایک بار پھر بغلگیر ہوئے اور گفتگو کا سلسلہ چل پڑا۔ پروگرام کا آغاز ہوا مقامی صوبے کے شاہی خاندان کے روح رواں کے آنے کا اعلان اسی شاہی انداز میں کیا گیا جیسے ہم فلموں اور ڈراموں میں دیکھتے ہیں۔ زرق برق لباس میں ملبوس ایک اہلکار نے دروازے پر کھڑے ہو کر با آواز بلند اعلان کیا۔ ساتھ بیٹھے مقامی ساتھی سے استفسار پر علم ہوا کہ مہمان خصوصی شاہی خاندان کے سربراہ کے آنے کا اعلان ہو رہا ہے۔ میں نے دل میں سوچا کہ شاہی خاندان کے چیف اسی شاہی طمطراق اور بھڑکیلے لباس میں آئیں گے جیسا کہ ہم فلموں یا ڈراموں میں دیکھتے ہیں اور ساتھ محافظوں کی اک فوج ہوگی۔ لیکن توقعات کے بالکل برعکس ایک انتہائی نفیس شخص (ٹوپی) پینٹ کوٹ میں ملبوس کسی محافظ کے بغیر مناسب چال ڈھال کے ساتھ ہال میں داخل ہوئے تو میرے ساتھ بیٹھے مقامی شخص نے بتایا کہ یہی ہیں مہمان خصوصی۔
پل بھر کے لیے تو شاہی طمطراق کا سارا مزاج کر کرا ہو گیا۔ اگر اعلان شاہی تھا تو آمد بھی شاہی انداز میں ہونی چاہیے تھی یا پھر اعلان شاہی انداز میں نہ کروایا جاتا۔ بہر حال یہ کھلا تضاد دلچسپ لگا۔
پروگرام میں اچھی کارکردگی والے اداروں کو ایوارڈ دیے گئے اور اسلامک ڈویلپمنٹ بنک کے پہلے ڈائریکٹر جو اب کافی عمر رسیدہ ہو چکے تھے انکو لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ بھی دیا گیا۔ کچھ نئی کتابیں بھی متعارف کروائی گئیں اور پھر مختصر ثقافتی مظاہرے کے بعد دعوت طعام کا آغاز ہوا۔
صبح سویرے ہمیں یو۔پی۔ایم پہنچنا تھا۔ جہاں دو میٹنگز طے تھیں جو خوش اسلوبی سے مکمل ہو گئیں اور یو۔پی۔ایم کے پریذیڈنٹ صاحبہ کے ساتھ ظہرانے میں شرکت کے بعد ہم نے انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی ملائیشیا کا رخ کیا جہاں ہمارے دوست ڈاکٹر ذوالجلاستری ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ انہوں نے اپنے ادارے سے متعلق بریفنگ کا اہتمام کر رکھا تھا جو ایک پروفیسر صاحب نے دی۔ ہم نے بھی اپنے ادارے اور مجموعی طور پر پاکستان کے شعبہ اعلی تعلیم سے متعلق گفتگو کی جو تمام شرکاء نے سراہی اور ملائیشیا کا یہ تیسرا سفر بہت خوبصورت یادوں کے ساتھ اختتام کو پہنچا۔
(جاری ہے)